غزل خطاطی

صابر ظفر



جناب محمد مختار علی کے لیے

محبت کے ساتھ

16-7-2015

0300-210223

غزل خطّاطی

صابر ظفر

طبع اوّل : اکتوبر 2009ء

کتاب : غزل خطاطی

شاعر : صابر ظفر

فون: 0300-2101223

ترتیب و انتخاب : طاہر نظامی

سرورق : اے ایس رند

لوحِ سرورق : ریاض احمد

مطبع : خرم پرنٹنگ پریس

قیمت : 150 روپے

تقسیم کار : سٹی بک پوائنٹ

نوید اسکوائر، اُردو بازار

نزد مقدس مسجد، کراچی

چوہدری مُحمّد علی مُضطر عارفی کے نام

صابر ظفر کے مطبوعہ شعری مجموعے

ابتدا	(غزلیں)
دھواں اور پھول	(غزلیں)
پاتال	(غزلیں)
جتنی آنکھیں اچھی ہوں گی	(غزلیں)
دریچہ بے صدا کوئی نہیں ہے	(غزلیں)
لہو ترنگ	(گیت اور غزلیں)
دکھوں کی چادر	(گیت اور غزلیں)
بارہ دری میں شام	(غزلیں)
عشق میں روگ ہزار	(غزلیں)
اک تری یاد رہ گئی باقی	(غزلیں)
بے آہٹ چلی آتی ہے موت	(غزلیں)
چین اک پل نہیں	(گیت اور غزلیں)
اپنے رنگوں میں ڈوب جانے دے	(غزلیں)
محبت کا نیل کنٹھ	(غزلیں)
کوئی لو چراغ قدیم کی	(غزلیں)
نامعلوم	(غزلیں)
پرندوں کی طرح شامیں	(غزلیں)
محبت دور کی آواز تھی	(غزلیں)
سانول موڑ مہاراں	(غزلیں)
زنداں میں زندگی امر ہے	(غزلیں)
خاموش بدن کی خود کلامی	(غزلیں)
ہر چیز کلام کر رہی ہے	(غزلیں)
ستارہ وار سخن	(غزلیں)
آئینوں کی راہداریاں	(غزلیں)
غزل خطاطی	(غزلیں)

مطبوعہ شعری انتخاب

صابر ظفر کی مزاحمتی شاعری

اڑان

پل دو پل کی چاہت میں

ترے عشق نے مالا مال کیا

محبت ہو نہیں پائی

محبت کا عہد نامہ

فہرست

غزل خطاطی — غزل کی ایک نئی جہت

—پروفیسر سحر انصاری—

اصناف شاعری میں اظہار کی گنجائش ضرور ہوتی ہے ورنہ ہر نیا شاعر اچھے خاصے کلاسیکی سرمایۂ سخن کے ہوتے اپنی تخلیقی سکت کو کیوں آزماتا۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی ایک صنفِ شاعری میں "تنگ نا" کی سی کیفیت محسوس ہو اور شاعر کہہ اُٹھے:

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

اور اپنی قدرتِ کلام سے وسعت پیدا بھی کرلے۔ یہ عمل صرف "تاریخ ساز" یا "عہد آفریں" فن کاروں کے حصے ہی میں نہیں آتا۔ شاعری میں تجربوں کے امکانات پر غور کرنے اور انھیں برتنے کا حوصلہ جس شاعر میں ہوتا ہے وہ اظہار کے نئے نئے زاویے تلاش کرتا رہتا ہے۔

صابر ظفر اپنے ہم عصروں میں امکانات کی تلاش پر سب سے زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ غزل کو انھوں نے موضوعات، لفظیات اور کیفیات کے ساتھ ساتھ جمالیات کے معیار پر طرح طرح سے آزمایا ہے۔ اس میں خود صابر ظفر کی بھی خاصی آزمائش ہوگئی ہے۔ اور اب مانا جانے لگا ہے کہ جدید غزل کی آب یاری میں صابر ظفر کی تخلیقی کاوشوں کا بھی اہم حصہ ہے۔

اس بار صابر ظفر ایک نئے تجربے کے ساتھ ایوانِ غزل میں باریاب ہوئے ہیں۔ خطاطی کی جمالیات اور اس کے آرائشی مظاہر کو ملحوظ رکھ کر انھوں نے "غزل خطاطی" کی بنا رکھ

دی ہے۔ غزل بھی ادب کی تمام اصناف کی طرح ''لفظوں کا فن'' ہے۔ الفاظ کی مکتوبی شکل کس کس طرح نمایاں ہوسکتی ہے اس کو صابر ظفر نے شاعری کے روپ میں دیکھا اور پیش کیا ہے۔
ہماری اپنی ثقافتی روایات میں خطاطی خوش نویسی اور فنِ کتابت کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ خوش نویسوں نے غیر معمولی ندرت سے کام لے کر طغرے، وصلیاں اور خطی نسخے تیار کیے ہیں جنھیں ہر دور میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ خوش نویسوں نے متعدد خط ایجاد کیے ہیں۔ ان میں خطِ کوفی، خطِ ثلث، خطِ غبار، خطِ گلزار، خطِ طاوس، خطِ تعلیق، خطِ نسخ، خطِ نستعلیق، رقاع، خطِ ماہی، خطِ مچھی، خطِ پیکانی، خطِ تصویری، خطِ شفیعہ، خطِ بہاری، خطِ ریحان، خطِ مرموز، خطِ محقق، خطِ شکستہ، خطِ مستورہ بہ طور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ بعض خط افراد کے نام سے منسوب ہوئے جیسے خطِ بابری اور خطِ یاقوت اور ہمارے عہد میں خطِ صادقینی۔
صابر ظفر نے ان تمام روشوں کو تخلیقی سطح پر محسوس کیا ہے۔ دراصل خطاطی کو انھوں نے ایک علامت بلکہ ''سخن کا پردہ'' بنالیا ہے۔ ان کا مقصد فنِ خطاطی کو منظوم کرنا نہیں ہے۔ انھوں نے تحریر، تصنیف اور تخلیق کے رنگ و آہنگ کو یکجا کر کے غزل کی ایک نئی فضا کو متعارف کرایا ہے۔ خطاطی میں ''جنتِ نگاہ'' کا پہلو تو شرطِ اوّل ہے۔ صابر ظفر نے اس کی حسیاتی (Sensous) کیفیات تک بھی رسائی حاصل کی ہے اور جنسی حسیات اور جمالیات کو بھی سلیقے سے جزوِ غزل بنایا ہے۔
قلم، دوات، روشنائی، تختی، لوح، خط، اعراب، نقطہ، دائرہ، کشش اور تشدید جیسی اصطلاحوں کو بھی ان کے آرائشی تناظر میں پیش کیا ہے۔
قلم کی اہمیت کا اندازہ تو اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ خالقِ کائنات نے اس کی قسم کھائی ہے:

ن○ و القلم و ما یسطرون○

اور قلم ہی سے اس نے انسانوں کو علم سکھایا۔ جہاں تک قط کا تعلق ہے اسے غالبؔ کی ظرافتِ طبع نے یہ رنگ دیا ہے:

کیوں منحرف نہ ہوں رہ و رسمِ ثواب سے
ٹیڑھا لگا ہے قط قلمِ سرنوشت کو

ایہام گوئی کے دور میں اس طرح کے اشعار بھی ملتے ہیں:

لام نستعلیق کا ہے اُس بُتِ خوش خط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اس لام کے

صابر ظفر ''اس لام'' تک تو نہیں پہنچے لیکن بُتِ خوش خط سے ان کی شاعرانہ سلسلہ جنبانی کے کئی مرقعے اس کتاب میں نمایاں ہیں۔

اردو میں Calligraphy کے لیے خطاطی اور خوش نویسی کی اصطلاح رائج ہے خود یہ یونانی زبان کے لفظ KALLIGRAPHIA سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''خوبصورت تحریر'' کے ہیں۔ خطاطی کا بنیادی وصف ہی یہ بتایا گیا ہے کہ آنکھوں کو بھلی معلوم ہو۔

شاعری محض خیالِ منظوم کا نام نہیں۔ اس میں جذبے اور کیفیت کی آمیزش بھی ضروری ہوتی ہے۔ صابر ظفر نے اس کا لحاظ رکھا ہے۔ اب کچھ ایسے اشعار دیکھیے جن میں بصری تمثالیں (Visual Images) نمایاں ہیں۔

کسی خطاطِ محبت کا لکھا لگتا ہے
نون کو دیکھوں تو آویزہ ترا لگتا ہے
سوکھے پتے نے لکھا حرفِ اجل کیا سرِ آب
سارا عالم ہی کہیں ڈوبا ہوا لگتا ہے

جب آنکھیں لفظ کی شکل اختیار کرتی ہیں
تو اپنے لکھے کو پڑھتی ہیں دوسروں کی طرح

جس طرح زیر کسی حرف کے نیچے ہو گی
دل ترے قدموں تلے بے سر و سامان ہے گم

صابر ظفر نے حسیاتی شبیہیں (Sensous Images) بھی بہت خوبصورتی سے اجاگر کی ہیں ان میں جنسی جمالیات کا رنگ بھی ہے اور شدید جذبۂ عشق کا آہنگ بھی:

بہار اُس کو سکھائے گی دینِ عریانی
وہ گل بدن نہ ہو یوں پردہ دار لکھتا تھا

انگشت سے لکھنے جو دیا لوح بدن پہ
وہ اذنِ کتابت ہی ظفرؔ اس کا کرم تھا

ظفرؔ یہ رات جو بیوہ کی طرح لگتی ہے
سہاگن اس کو بنا اور نکاح نامہ لکھ

ہونٹ پہ ہونٹ ہو جیسے، تھا یونہی حرف پہ حرف
ایسے لکھتا تھا، جماتا تھا کوئی، حرف پہ حرف

صورتیں اور بھی تھیں لکھنے کی
"ہ" کو اُس ناف کی صورت لکھتا

الف انار بدن یار کا مکمل سرخ
میں ہوتا سرخرو اس سے جو وہ کرم کرتا

نون سے نقطہ ہٹایا ہے تو پستان ہے گم
اے مرے عشق کے خطاط! مری جان ہے گم

وہ جسم حرفوں کی گولائیوں سے یاد آیا
جسے میں بھول چکا تھا کئی زمانوں سے

صابر ظفر کے اس مجموعے کا نام اگرچہ ''غزل خطاطی'' ہے لیکن اس کا واحد مرکز و محور فنِ خطاطی نہیں بلکہ تحریر اور لکھت کے جو پیرائے بھی صابر ظفر کے لیے باعثِ کشش بنے انھیں سخن کا پیرہن دے دیا۔ انھیں اشعار کے تنوع میں حمد بھی ہے، نعت بھی، منقبت بھی ہے، مناجات بھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ وہ انسانی مسائل بھی جن سے آج کوئی باشعور اور باضمیر تخلیق کار صرفِ نظر نہیں کرسکتا:

خانۂ حرف کو اُجڑا ہوا دیکھا ہے ظفر
جیسے دہلیز ہے گم ویسے ہی دالان ہے گم

روشنائی مرے لفظوں سے اُڑی کس کے لیے
حرف کیوں ہوگئے پژمردہ و بے حال، کہو

زبان کٹتی تھی جس جا زبان کھلنے پر
سخن طراز سخن آشکار لکھتا تھا

ہر ایک شخص کا دم گھٹ رہا تھا لیکن وہ
فضائے شہر بہت سازگار لکھتا تھا

جسے میں حصۂ تاریخِ نو سمجھتا تھا
وہ لفظ درج اساطیرِ لامکاں میں ہوا

کچھ لفظ رفتگاں کی طرح دُور ہوگئے
کچھ لفظ میرے پاس ہیں احباب کی طرح

صابر ظفر کی ''غزل خطاطی'' یقیناً اردو شاعری کی دنیا میں ایک نیا تجربہ ہے۔ اس سے جہاں شاعر کی تخلیقی سکت ایک نئے زاویے سے سامنے آئی ہے اردو غزل کی وسعت اور

امکانات کے نئے افق بھی روشن ہوئے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ صابر ظفر کی شاعری اور اسلوبِ سخن میں تازہ کاری سے دل چسپی رکھنے والے صابر ظفر کی "غزل خطاطی" کی مختلف جہات کو پسند کریں گے۔

○

اپنی نوعیت کی منفرد تصنیف

— ڈاکٹر خضر نوشاہی —

خط — خطاطی یعنی مافی الضمیر کا اظہار بذریعۂ تحریر کرنے کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے، جتنی کہ خود "لوح و قلم" کی تاریخ!

آلۂ کتابت "قلم" کا تقدس اس سے زیادہ اور کیا ہو کہ خود خالقِ لوح و قلم نے اپنے کلامِ مجید میں اس کی قسم کھائی ہے:

ن٥ وَ الْقَلَمِ و ما یسطرون٥

"لوح و قلم" ایک ایسا حسین و جمیل استعارہ ہے کہ جس کا اطلاق شاعرِ مشرق حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے محبوبِ رب العالمین علیہ التحیۃ والتسلیم کی ذاتِ اقدس پر کیا ہے:

لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب

لوازماتِ خطاطی کے جملہ اجزائے ترکیبی صاحبانِ علم و دانش کے ہاں انتہائی تقدس کا درجہ رکھتے ہیں، مثلاً: لوح، قلم، روشنائی، کتابت، قرطاس، کتاب، وغیرہم۔

ماقبلِ تاریخ اگرچہ تحریر کی جگہ تصاویر کے ذریعے اظہار و ابلاغ کیا جاتا رہا، لیکن جیسے جیسے انسانی معاشرتی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوتی گئیں اس کے ساتھ ساتھ اظہار و

ابلاغ میں بھی تبدیلیاں آتی گئیں، اور تصویر کی جگہ تحریر نے لے لی۔ اور جیسے جیسے انسانی قلوب و اذہان ترقی کرتے گئے اور دیگر تمام شعبہ ہائے زندگی مثلاً لباس خوراک، رہائش، اور ذرائع آمد و رفت میں تبدیلیاں آتی گئیں، ان تمام شعبوں میں خوبصورتی، آسائش اور سہولت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، اسی طرح یہ تمام اثرات الفاظ، تحریر اور نوشت و خواند پر بھی مرتب ہوتے گئے۔ جیسا کہ فنِ خطاطی کی تاریخ میں ہمیں مختلف خطوط کے نام ملتے ہیں، جو ہر دور کے خوش نویسوں اور کاتبوں نے اپنائے۔ اور امتدادِ زمانہ کے تغیر و تبدّل کے ساتھ ساتھ وہ متغیر ہوتے رہے۔ اگرچہ عصرِ حاضر میں مشینی اور برقی آلات کی سحر آفرینی نے ان لطیف احساسات کو کچل کے رکھ دیا ہے، تاہم تحریر کے لوازمات سے انسانی رشتہ جو ازل سے قائم ہوا وہ ابد تک قائم رہے گا، انشاءاللہ۔

ماضی قریب میں برصغیر پاک و ہند میں خوش نویسی کے حوالے سے عبدالمجید پروین رقم، حافظ محمد یوسف سدیدی، سید نفیس الحسینی نفیس رقم، صوفی خورشید عالم خورشید رقم اور منظور انور جیسے لوگ لوح و قلم کی آبرو تھے۔ ان کی نوکِ قلم سے نکلی ہوئی تحریریں آج بھی خوش ذوق اربابِ نظر کے لیے سامانِ راحت فراہم کرتی ہیں۔

اسی قبیلۂ خوش نویسی کے دوام، تسلسل اور استقرار کے لیے دورِ حاضر میں دارالتحریر اکیڈمی کراچی۔ اسلام آباد شب و روز سرگرمِ عمل ہے۔ اس اکیڈمی کے بانی اور روحِ رواں پاکستان کے نامور خطاط محترم جناب اقبال سعید ہیں، جنھوں نے اس فنِ شریف کے گلشن کی اپنے خونِ جگر سے آبیاری کی ہے اور کر رہے ہیں۔ اللہ کریم ان کے علم و اخلاص میں مزید برکت عطا فرمائے۔

جناب محمد اقبال سعید نے فنِ خطاطی کی ترویج و اشاعت اور فروغ کے لیے پاکستان کے دو شہروں کا انتخاب کیا، کراچی اور اسلام آباد — دونوں شہروں میں دارالتحریر اکیڈمی کے دفاتر کھولے، جہاں سے سیکڑوں لوگ خوش نویسی کے حوالے سے مستفید ہو رہے ہیں۔

جناب اقبال سعید نہ صرف خود اس فن کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں بلکہ وہ دیگر اہلِ علم و دانش سے محبانہ رشتہ استوار کر کے انھیں بھی اس سفر میں شامل کر لیتے ہیں، اس کی ایک

تازہ مثال جناب صابر ظفر کی نئی کتاب ''غزل خطاطی'' ہے۔ جو انھوں نے اقبال سعید صاحب کی تحریک پر ہی لکھی ہے۔ جس کا اعتراف خود انھوں نے اپنے کلام میں بھی کیا ہے:

وہ ہیں اقبال سعیدؔ، اکملِ دار التحریر
جن کی تحریک کا ثمرہ ہے ''غزل خطاطی''

جناب صابر ظفر ہمارے عہد کے پُر گو، صاحبِ ذوق اور نکتہ شناس شاعر ہیں۔ ان کی تازہ کتاب ''غزل خطاطی'' اپنی نوعیت کی منفرد تصنیف ہے۔ اس میں انھوں نے ماضی کے تقریباً تمام ''خطوط'' کا ذکر کیا ہے، جن کے نام بھی اب قصۂ پارینہ ہو کے رہ گئے، اور بعض معدوم ہو چکے ہیں۔ ان کے نام اس کتاب میں محفوظ ہو جانا ہی ایک کارنامہ ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھیں:

''خطِ غبار'' بشکلِ غبار لکھتا تھا
سفر کا حال سرِ رہ گزار لکھتا تھا
''خطِ رقاع'' کو رقعے کے واسطے اکثر
میں ایسے لکھتا تھا جس طرح یار لکھتا تھا

''خطِ شفیعہ'' میں لکھتا تھا وہ مدوّر ''ۃ''
تو حرف ''دال'' سدا حلقہ دار لکھتا تھا

''خطِ بہاری'' تو معدوم ہو چکا کب کا
لکھاری اس کو بہت پائیدار لکھتا تھا

''غزل خطاطی'' میں جن معروف خطوط کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے چند ایک کے نام ملاحظہ ہوں:

خطِ غبار، خطِ ماہی، خطِ رقاع، خطِ گلزار، خطِ مقابل، خطِ شفیعہ، خطِ بابری، خطِ بہار، خطِ ثلث، خطِ نسخ، خطِ محقق، خطِ ریحان خطِ پروینی، خطِ میمی، خطِ طومار، خطِ مرموز، خطِ جلی،

خطِ خفی، خطِ تعلیق، خطِ عرب، خطِ کوفی، خطِ مائل، خطِ شکست خطِ نستعلیق، خطِ مشق، خطِ اتخوان —— وغیرہم۔

''غزل خطاطی'' میں صرف خطوط کا ہی ذکر نہیں ہوا، بلکہ خطاطی کے جملہ لوازمات کو بھی بطورِ استعارہ استعمال میں لایا گیا ہے۔ مثلاً:

''قلم'' کے چلنے کی آتی نہیں صدا کوئی
اسے بھی چپ لگی ٹوٹے ہوئے دلوں کی طرح

''لوح'' رکھنے کے لیے بستہ کروں ایسے تلاش
جیسے بارش میں ضرورت پڑے برساتی کی

''صوف'' کی طرح بدن سوکھ گیا
نقشِ عبرت میں جو فرقت لکھا

علیٰ ہذا القیاس! دورِ حاضر میں، جب کہ اس فنِ شریف (خطاطی) سے بے اعتنائی کا یہ عالم ہے اب ہماری نئی نسل اس سے قطعاً نا آشنا ہے، یہ کتاب ایک انعام ہے ملک وملت کے لیے، جس کے ذریعے خطاطی سے متعلقہ ماضی کو خوب صورت انداز میں محفوظ کیا گیا ہے۔

بارگاہِ رب العزت میں دُعا گو ہوں کہ صابر ظفر کو مزید ہمت عطا فرمائے کہ وہ علم و ادب اور اسلامی ورثہ کی تحفیظ کے لیے شب و روز کوشاں رہیں۔ اور ان خدماتِ جلیلہ کو شرفِ قبولیت عطا ہو۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم

○

کوئی تو ہوگی جزا ، ایسے مناجاتی کی
عمر بھر جس نے ترے اسم کی خطاطی کی

خوش نویس اور کوئی عاشقِ برحق نہ ملا
کی جو تحریرِ وفا پیش اُسے ، ذاتی کی

میں تری یاد کے نقشے سے جو نکلوں تو لکھوں
لوح خالی ہی رہے مجھ سے خراباتی کی

حرف سے حرف کو جوڑوں تو بنے لفظ ایسے
آشنا شکل کوئی جیسے ملاقاتی کی

مجھے آتا ہے محبت کا وثیقہ لکھنا
اختیار اور جو کی راہ ، وہ من بھاتی کی

میں نے لکھتے ہوئے روکا نہ کبھی ہاتھ ایسے
گفتگو جیسے ترے عشق میں جذباتی کی

نقش اُس کے "خطِ پروین رقم" جیسے تھے
ایسی صورت نہیں دیکھی کسی میواتی کی

کبھی دیوار پہ انگشت سے لکھتا ترا نام
خوش خطی جان اِسے، مجھ سے مضافاتی کی

غور سے دل نے سنی بات ملاقاتی کی
اور بولے ہوئے ہر لفظ کی خطاطی کی

جب لکھوں حرفِ جدائی تو لرزنے لگیں ہاتھ
حالتِ غیر ہو جیسے کسی مدھ ماتی کی

لفظ جتنے بھی محبت میں لکھے جم کے لکھے
اور ہموار ہمیشہ روش اثباتی کی

جس نے پانی پہ لکھی زیست امر کردی ہے
اپنی جاں میں تو ہے جاں، اب اُسی گجراتی کی

کر کے ہم راز و ہم آواز صریرِ خامہ
شکل پیدا کوئی ہر آن محاکاتی کی

وقفہ ہر حرف تہجی میں برابر رکھا
یعنی ہر حرف کی تقسیم مساواتی کی

خاک پر لکھتا رہا اور مٹاتا رہا یُوں
زندگی جیسے بسر ہو ، کسی دیہاتی کی

لوح کی قید میں ایسے ہیں ظفرؔ تحریریں
جیسے ہر سانس ہو پابند ، حوالاتی کی

لفظ رُسوا ہوئے صحبت میں خراباتی کی
کُھل گئی سب پہ، کوئی بات اگر ذاتی کی

جو بھی لکھتا ہے وہ کرتا ہے الف سے آغاز
اس ریاضت میں ضرورت نہیں بقراطی کی

لفظ کو جامۂ تحریر میں جو بھی لایا
اُس نے اِس فن کے حسیں پردے میں خیّاطی کی

لوح رکھنے کے لیے بستہ کروں ایسے تلاش
جیسے بارش میں ضرورت پڑے برساتی کی

اُس نے چاقو سے کبھی نام جو لکھنا چاہا
میں نے پھیلائے نہ ہاتھ، آگے فقط چھاتی کی

سانس یوں چلتی ہے جس طرح قلم چلتا ہے
زندگی ہے تو ضرورت ہے کسی ساتھی کی

اندر اندر دلِ مشتاق کو مرحوم لکھا
غم نے لکھتے ہوئے سازش یہ محلاتی کی

ایسے لگتے ہیں قدامت میں حروفِ ابجد
ہو گزرگاہ یہ جیسے کسی حشراتی کی

ہُنروری میں ریاضت کی انتہا کر دُوں
پرانے لفظ جو لکھوں اُنھیں نیا کر دُوں

مہاجروں کی طرح ہیں جو دربدر ابھی لفظ
اُنھیں مَیں اپنے علاقے سے آشنا کر دُوں

ضرور وہ چلا آئے گا لوحِ دل کی طرف
میں لفظ کے لیے ہموار راستا کر دوں

جمال و حُسنِ کتابت نہ ہوگا کم میرا
ہر ایک لفظ کا ہر حرف اگر جدا کر دُوں

ترنم اوّلیں الفاظ کا ہے یاد مجھے
میں گونگے لفظوں کو لکھوں تو خوش نوا کر دُوں

لہو میں ڈوب کے کرتے نہیں جو خطاطی
میں چاہتا ہوں کہ اُن کے لیے دُعا کردوں

اُسے خبر ہے خطِ بندگی ہے جس کے لیے
مَیں دل کی قید سے کیسے اُسے رہا کردوں

ہے روشنائی مرے پاس ہر طرح کی ظفرؔ
میں سوکھے لفظوں کی ہر شاخ کو ہرا کردوں

دیے کی لَو سے لکھا تیرگی میں تیرا نام
کہ چاہا دیکھوں سدا روشنی میں تیرا نام

اِسی کا وِرد کروں گا اِسی کو لکھوں گا
کہ آگیا ہے مری زندگی میں تیرا نام

مرے لیے سفر آسان ہوگیا یعنی
لکھا تھا بارہا آوارگی میں تیرا نام

میں جب بھی سوچوں گا، سوچوں گا تیرے بارے میں
لکھا رہے گا مری آگہی میں تیرا نام

یہی نجات کی صورت ظفؔر کے سامنے تھی
کہ اُس نے لکھ لیا آغاز ہی میں تیرا نام

ہونٹ پر ہونٹ ہو جیسے، تھا یونہی حرف پہ حرف
ایسے لکھتا تھا، جماتا تھا کوئی، حرف پہ حرف

جاگتے سوتے جدا ہوتے نہیں ہیں یکسر
کبھی تشدید پہ تشدید کبھی حرف پہ حرف

دولتِ لوح و قلم میرے لیے کافی ہے
جمع کرتا ہوں جو رکھتا ہوں کبھی حرف پہ حرف

کاش مَیں حسنِ کتابت سے جلی ہو جاؤں
گرچہ فی الحال مَیں لکھتا ہوں خفی حرف پہ حرف

آئنہ، آئنے پر رکھا ہوا ہو جیسے
مشق کرتا ہوں ظفرؔ لکھ کے ابھی حرف پہ حرف

مرے لیے ہیں سبھی لفظ دوستوں کی طرح
بکھرنے دوں گا نہ مَیں اِن کو آئنوں کی طرح

وہ لفظ کیا تھا کہ جو سب سے پہلے لکھا گیا
اُسے سنبھال کے رکھوں گا آیتوں کی طرح

اُنہی کے بطن سے معنی کی کونپلیں پھوٹیں
جو لفظ حاملہ ہوتے ہیں عورتوں کی طرح

جو پھیرتا خطِ تنسیخ میرے لکھے پر
مری خوشی پہ وہ حاوی ہوا غموں کی طرح

قلم کے چلنے کی آتی نہیں صدا کوئی
اُسے بھی چُپ لگی ٹوٹے ہوئے دلوں کی طرح

جب آنکھیں لفظ کی شکل اختیار کرتی ہیں
تو اپنے لکھے کو پڑھتی ہیں دوسروں کی طرح

لکھت کو باہوں میں لے لیں خطوطِ وحدانی
اِسی لیے تو لگیں وہ محافظوں کی طرح

وہ جلتا بجھتا ظفرؔ ہے ذخیرۂ الفاظ
کبھی جو راتوں کی صورت کبھی دنوں کی طرح

میں لفظ تھام کے داخل جو داستاں میں ہوا
یقین جیسا مجھے تجربہ گماں میں ہوا

بجی ہوئی تھیں جو اعراب کی حسیں بیلیں
نظارہ اُن کا بھی ابجد کے گلستاں میں ہوا

جہاں بھی لام ہے کاکُل، وہیں ہے مد ابرو
یہ ذکر قاعدۂ ہفت آسماں میں ہوا

جسے مَیں حصّہءِ تاریخِ نو سمجھتا تھا
وہ لفظ درج اساطیرِ لامکاں میں ہوا

میں دیکھتا رہا دو نون اُس کے سینے پر
مگر نہ تذکرہ اُن کا مرے بیاں میں ہوا

خطوطِ جسم جو ظاہر تھے مثلِ قوسِ قزح
فروغ اُن کا کسی دوسرے جہاں میں ہوا

ظفرؔ جو لکھتا تھا، پڑھتا نہ تھا اُسے کوئی
سو خاک فائدہ الفاظ کے زیاں میں ہوا

قصیدہ آخری اُن کے لیے رقم کرتا
لہو اُچھالتا ، خود اپنا سر قلم کرتا

وہ لوح گُم ہے سرِ دجلہ و فراتِ ازل
خطِ عرب کی جہاں ابتدا صنم کرتا

زبانِ عشق کو تحریر کی ضرورت تھی
کہاں تک اُس کو مَیں سر رشتۂ عدم کرتا

جو دسترس میں تھا آرائشِ خطِ کوفی
اُسی سے کاش مَیں زیبائشِ حرم کرتا

سکوں جو اسمِ محمدؐ میں ہے کہیں بھی نہیں
رقم نہ کس طرح اُس کو مَیں دم بدم کرتا

جہاں بھی دیکھ لیا تیرا اسم لکھا ہوا
رہا وہیں مَیں سرِ چشم و دل کو خم کرتا

نگاہ اُنھی کا ادب کر رہی ہے جھکتی ہوئی
قلم اُنھی کی ثنا لکھ رہا ہے رَم کرتا

بیان کر دیا لکھ کر جو مَیں نے وصفِ جمال
نہ ایسا کرتا ظفرؔ تو ضرور غم کرتا

بلند اور محبت کا یہ علَم کرتا
میں لوحِ دل پہ سراپا ترا رقم کرتا

ترا بدن ''خطِ تعلیق'' کا تھا چشمہ کوئی
اُسی کے نم سے ہمیشہ مَیں خُود کو نم کرتا

نہ حرف جوڑتا کیسے کہ تُو مخاطب تھا
نہ روشنائی میں کیسے قلم کو ضم کرتا

نہ لکھنے والا کوئی تھا، نہ پڑھنے والا کوئی
کوئی بھی حرفِ الم کیسے آگے رَم کرتا

جو چھونا چاہتا تھا حدِّ منزلِ تحریر
روانی اپنے قلم کی وہ کیسے کم کرتا

ھ لکتا میں تو مجھے تیری آنکھیں یاد آتیں
پھر اُن سے یاد رفاقت کا زیر و بم کرتا

الف انار بدن یار کا مکمل سرخ
میں ہوتا سرخرو اُس سے جو وہ کرم کرتا

افلاک پر ستارہ و مہتاب کی طرح
میں ہوں کلامِ عشق پہ اعراب کی طرح

کیا رُخ ، جمالِ یار کا لکھے گا کیا خبر
بے تاب ہے قلم دلِ بے تاب کی طرح

ایسے شکستہ ہوگئی تحریر یاد کی
الفاظ ٹوٹنے لگے اعصاب کی طرح

کچھ لفظ رفتگاں کی طرح دور ہو گئے
کچھ لفظ میرے پاس ہیں احباب کی طرح

کمپوز ہو رہے ہیں مضامین اب یہاں
لگنے لگے ہیں لوح و قلم خواب کی طرح

پتوں نے تیرتے ہوئے کھینچے ہیں کچھ خطوط
اپنی تو لوحِ زیست ہے تالاب کی طرح

ٹیڑھا لگا کہ سیدھا لگا قط مگر سدا
ہر لفظ سے سلوک تھا آداب کی طرح

جب بھی قلم ڈبویا تھا "لا" کی دوات میں
لکھنے میں حظ تھا عشرتِ اسباب کی طرح

جو آئے فیض یاب ہو پوری طرح ظفر
ہر لفظ عشق کا ہے کھلے باب کی طرح

سیاہی سوکھنے دیتا نہیں کوئی خطاط
اور ایک مَیں کہ مرے پاس ہے قلم نہ دوات

قلم تراشتا پہنچا تھا مَیں وہاں کہ لکھوں
کسی بھی لوح کو دارِ فنا میں تھا نہ ثبات

کہاں گئے وہ لکھاری جو تختیاں پوچیں
کہاں گئے وہ کھلاڑی، بچھا سکیں جو بساط

ترے جمال کا جلوہ ہے یا ''خطِ کوفی''
کہ جیسے سحر میں ڈوبی ہوئی کوئی لکھوات

قلم بھی ضعف سے کچھ یوں چلے اب آہستہ
کہ جیسے رینگتی جاتی ہے چیونٹیوں کی برات

یہ کہہ گئی کہ لکھوں میں الف ہی ازسرِ نو
ابھی ابھی جو گئی دھو کے تختیاں برسات

نجانے کس نے لکھا پہلی بار پریم گرنتھ
پتا چلے تو ظفرؔ چوم لوں میں اُس کے ہاتھ

میں لوحِ زمانہ دیکھتا ہوں
ابجد کا خزانہ دیکھتا ہوں

سیکھوں مَیں نئی لکھت اُسی سے
جو لفظ پرانا دیکھتا ہوں

رکھتا ہوں اُنھیں، اُنھی کے گھر میں
لفظوں کا گھرانا دیکھتا ہوں

آتے جاتے ہیں لفظ متروک
آنا کبھی جانا دیکھتا ہوں

خطاط کی زندگی ہے جس میں
میں وہ افسانہ دیکھتا ہوں

موجود کہاں ہیں کون سے لفظ
میں سب کا ٹھکانا دیکھتا ہوں

کس لفظ کو کس نے ہے اُٹھایا
میں شانہ بہ شانہ دیکھتا ہوں

نون سے نقطہ ہٹایا ہے تو پستان ہے گُم
اے مرے عشق کے خطّاط! مری جان ہے گُم

حرف کا حرف میں کھونا ہے محبت کی دلیل
جیسے دُشوار ہے گُم ، ویسے ہی آسان ہے گُم

ہنستے روتے ہوئے حرفوں کی حیاتی ہے یہی
کوئی خوش باش ہے گُم ، کوئی پریشان ہے گُم

جنھیں لکھتا نہیں کوئی ، وہی میرے ہیں حروف
گُم مگر یوں ہیں کہ جیسے مرا ایمان ہے گُم

جس طرح زیر کسی حرف کے نیچے ہو گئی
دل ترے قدموں تلے بے سرو سامان ہے گُم

محرموں کے لیے لکھا "خطِ تبدیل حروف"
اجنبی کے لیے مفہوم تو ہر آن ہے گم

ہے مری روح کے نزدیک "خطِ نستعلیق"
بعض خط مُردہ ہیں اور مُردوں کا شمشان ہے گم

دستِ خطّاط ہے گُم ، لفظ پہ ایمان ہے گُم
جیسے ٹھہری ہوئی ہر لہر کا ہیجان ہے گُم

سانس پر ٹھہرے ہوئے گیت کا ہر ساز ہے چُپ
آب پر لکھے ہوئے حرف کا ایمان ہے گُم

ہوگئے حرف پرائے کہ سرِ لوحِ جہاں
میں نے لکھا تھا جسے ، وہ مرا دیوان ہے گُم

شین کی مجھ کو کشش کھینچنا معیوب لگے
اِس روایت کا بھی اِس دور میں اعلان ہے گُم

تم پریشاں ہو دوات اور قلم کھونے پر
مجھے دیکھو کہ مرا سارا ہی جُزدان ہے گُم

لفظ اِس دور میں آزاد ہے قدرت کی طرح
گُم ہے ہر لوح تو ہر لفظ کا زندان ہے گُم

خانۂ حرف کو اُجڑا ہوا دیکھا ہے ظفرؔ
جیسے دہلیز ہے گُم ، ویسے ہی دالان ہے گُم

اپنے پُرکھوں کی روایت کا اثر آئے گا
لکھتے لکھتے ہی تو لکھنے کا ہنر آئے گا

غور سے دیکھنا، معدوم ہوئے کیسے خطوط
آگے ٹوٹے ہوئے کتبوں کا کھنڈر آئے گا

غور سے دیکھنا، ہم رنگِ حروفِ ابجد
تختیاں پوچنے والوں کا نگر آئے گا

اپنی آغوش میں سرکنڈے جو رکھتے ہیں قلم
وہ ذخیرہ بھی سرِ راہ گزر آئے گا

لفظ پت جھڑ کی طرح چُپ ہیں اگر تو کیا ہے
آگے آواز کا سرسبز شجر آئے گا

عمر بھر کے لیے رک جانا وہیں بہتر ہے
خانۂ حرف جسے کہتے ہیں ، گھر آئے گا

کاش تم آؤ کبھی جانب دارالتحریر
خوش خطی سیکھو، قلم چلتا نظر آئے گا

جان لو گے جو ظفرؔ حسنِ کتابت کے رموز
صفحۂ شب پہ کوئی چاند اتر آئے گا

سوادِ خط سے کُھلا نام لکھنے والے کا
کہ چل رہا تھا عجب کام لکھنے والے کا

سمجھ رہا تھا اُسے مَیں کہ ہے خطِ تقدیر
مگر وہ خط تھا کسی عام لکھنے والے کا

کروں لکھت کی سدا ابتدا الف بے سے
کہ پیروکار ہوں ، الہام لکھنے والے کا

جو نامہ بر سے کہیں بھی ہوئی کتابت گم
چلا گیا سبھی آرام لکھنے والے کا

اُسی کے ہاتھ ہمیشہ قلم ہوئے ہیں ظفؔر
یہ ہم نے دیکھا ہے انجام لکھنے والے کا

لکھنے کا بھی جب شوق تھا، ہاتھوں میں بھی دم تھا
پانی کی طرح چلتا ہوا تب یہ قلم تھا

رو رو کے جدائی کی وہ تحریر لکھی تھی
آنسو کی طرح تھا کہ جہاں نقطۂ نم تھا

ہر آن سمایا تھا جو خوش ذوق نظر میں
وہ میرے ہی لکھے ہوئے حرفوں کا حرم تھا

جولانئ افکار سے باہر تھی عبارت
لکھنے کے لیے خانۂ تحریر ہی کم تھا

انگشت سے لکھنے جو دیا لوح بدن پر
وہ اذنِ کتابت ہی ظفر اُس کا کرم تھا

کسی خطاطِ محبت کا لکھا لگتا ہے
نون کو دیکھوں تو آویزہ ترا لگتا ہے

قیس اکیلا ہی کبھی لام الف لکھتا تھا
آج تو ایک دبستان کھلا لگتا ہے

خط جو بھیجا تھا کبھی مَیں نے لہو سے لکھ کر
واپس آیا ہے تو اشکوں سے دُھلا لگتا ہے

سوکھے پتّے نے لکھا حرفِ اجل کیا سرِ آب
سارا عالم ہی کہیں ڈوبا ہوا لگتا ہے

تختیاں پوچنے والے یونہی سب جیتے رہیں
زندہ تر اُن کی محبت سے خدا لگتا ہے

جیتے جی نام جو کتبے پہ ہمارا لکھا
کام یہ کاتبِ تقدیر ہی کا لگتا ہے

سرد مہری نے محبت میں جدائی لکھی
اب تو ہر سانس زمستاں کی ہوا لگتا ہے

کاش لکھ کر وہ مجھے بھیجے خطِ آزادی
لفظ قیدی کی طرح جکڑا ہوا لگتا ہے

لفظ ہوتا ہے جو چُپ ، مرگِ صدا لگتا ہے
اور اگر بولتا ہے ، جیتا ہُوا لگتا ہے

ریزہ سا شق میں قلم کے جو مخل تھا ، نکلا
اب تو ہر لفظ مجھے عنا بھلا لگتا ہے

میں سیاہی میں ڈبوتا ہوں قلم ، لکھتا نہیں
ڈوبنے والا کنارے نہ لگا ، لگتا ہے

خشک ہوجائے سیاہی تو ہے لکھنا مشکل
دل جو بجھ جائے تو جینا بھی سزا لگتا ہے

لام ، کانٹا ہے جو مچھلی کے دہن میں اٹکے
حرف یہ آلۂ سیلابِ فنا لگتا ہے

زندگی جس نے گزاری ہو سدا جھوٹ کے ساتھ
حرفِ حق لکھا جو دیکھے تو بُرا لگتا ہے

پَر سے لکھتا ہوں کہ اب یہ ہی قلم ہے میرا
لفظ طائر کی طرح اُڑتا ہُوا لگتا ہے

دستِ خطاط قلم ہونے پہ روتا ہُوں ظفر
کتنے ظالم ہیں جنھیں ظلم روا لگتا ہے

میں جو کھویا ہوا اعراب کے دفتر میں رہا
عمر بھر زیر زبر پیش کے چکّر میں رہا

اِس طرح جذب رہا جزم کی صورت پیہم
گردشوں میں بھی سدا لفظ کے محور میں رہا

مجھ کو دیتے رہے تحریر میں وادین پناہ
مدّ و جزر آتے رہے پھر بھی مَیں ساگر میں رہا

زیست ہر سطر میں کاما (Comma) کی طرح تھی میری
یعنی پتّھر کی طرح لفظوں کے لشکر میں رہا

رنگ الفاظ کے تھے قوسِ قزح کی صورت
دیکھنے والا مقیّد اُسی منظر میں رہا

کیا عدالت میں دُہائی کوئی سنتا میری
قتل کا لفظ کسی گمشدہ محضر میں رہا

لفظ پُونی کی طرح بُنتے رہے تارِ حیات
تذکرہ اُن کا ظفؔر چرخے کی گھوکر میں رہا

اگر نہ اور کسی طور حال ظاہر ہو
خطِ شکستہ سے اُس کا ملال ظاہر ہو

اگر لکھے تو "خطِ استخواں" میں ایسے لکھے
کہ زندگی کی رمق خال خال ظاہر ہو

رُکے ہوئے ہی ہمیشہ رہیں نہ لفظ تمام
قلم کے چلنے سے لفظوں کی چال ظاہر ہو

اگرچہ لکھے گئے ہیں سبھی برہنہ حروف
مگر نہ حرفوں سے شکلِ وصال ظاہر ہو

محبتوں کی لکھت میں تو دھیما پن ہے ظفرؔ
جمالِ حرف سے کیسے جلال ظاہر ہو

ڈھکی چھپی ہوئی جو خواہشیں تھیں لفظوں میں
اُنہی کے واسطے سب لذتیں تھیں لفظوں میں

ہر ایک لفظ تھا دلکش قبائے گُل کی طرح
ہوا نے دیکھا کہ ساری رُتیں تھیں لفظوں میں

قلم اُدھر ہی لپکتا دکھائی دیتا تھا
بلاتی اپنی طرف خوشبوئیں تھیں لفظوں میں

اسی لیے نہ کسی لفظ سے قلم ہُوا دُور
جہاں تھے رنج وہیں راحتیں تھیں لفظوں میں

ظفؔر نے لفظوں سے رشتہ اسی لیے جوڑا
کئی ہدف تھے کئی منزلیں تھیں لفظوں میں

اگرچہ حل نہ ہوا تھا سوال تختی پر
مگر مَیں لکھتا رہا دل کا حال تختی پر

حروف کی جگہ آنسو دکھائی دیتے تھے
ہُوا تھا اتنا تو ظاہر ملال تختی پر

اُسی سے مَیں نے اُسے خوش خرام جانا تھا
عیاں ہوئی تھی جو لفظوں کی چال تختی پر

پڑھا تھا اُس نے تو آنکھوں پہ ہاتھ رکھ لیے تھے
لکھا تھا مَیں نے جو حرفِ وصال تختی پر

نکل سکا نہ مَیں لفظوں کی قید سے کسی طور
بچھا تھا نقشِ محبت کا جال تختی پر

جمال اُس کا تمام آنکھ بھر کے دیکھ لیا
اُتار کر جو رکھی اُس نے شال تختی پر

چمک حروف کی چھن چھن کے مجھ تک آتی رہی
گرا لیے تھے ظفرؔ اُس نے بال تختی پر

"نقشِ حوران" سے کُھلتا ہے جو احوال ، کہو
ورنہ تم اپنی زباں ہی میں کوئی حال کہو

کاش دیواں ہو مرا مثلِ "کتاب التخلیق"
تم پڑھو تو اُسے تصویرِ مہ و سال کہو

گیلی تختی پہ فقط مَیں نے الف ہی لکّھا
میری تحریر کا ہے کیسا یہ اِجلال ، کہو

لکھنے والوں نے اگر اپنے قلم توڑے نہیں
کیا مری برسی پہ لکّھا گیا امسال ، کہو

روشنائی مرے لفظوں سے اُڑی کس کے لیے
حرف کیوں ہوگئے پژمردہ و بے حال ، کہو

جب لکھا لفظوں کے اوصاف کو ملحوظ رکھا

کبھی ٹھہریں کبھی اُڑ جائیں پرندوں کی طرح
زندگی لفظوں کی ہے خانہ بدوشوں کی طرح

بعض الفاظ جو بجھ جاتے ہیں مٹ جاتے ہیں
بعض الفاظ چمکتے ہیں ستاروں کی طرح

بعض الفاظ تو بے معنی نظر آتے ہیں
بعض الفاظ اُترتے ہیں صحیفوں کی طرح

لگنے لگتے ہیں مجھے اور مقدس گویا
لفظ آ ملتے ہیں جب ہونٹوں سے بوسوں کی طرح

کشتیاں لفظوں کی بہتی چلی جاتی ہیں ظفر
ڈوبنے دیتا نہیں اُن کو میں لہروں کی طرح

کسی نوشتۂ دیوار کی طرح گویا
مرے کلام کا اِک حرف بھی نہیں سویا

ہزار بار ترا مرثیہ لکھا جس سے
لہو میں ڈوبا ہوا وہ قلم نہیں دھویا

گلہ نہ ضعفِ قلم کا کوئی رہا باقی
کسی بھی لفظ کا بار، ایک بار اگر ڈھویا

یہی صلہ تو ہے خطّاط کی ریاضت کا
ہزار حرف اُگے ایک حرف اگر بویا

جب اُن کا اسم نہ لکھا گیا ظفؔر مجھ سے
نہ پوچھ کیسے مَیں اُس وقت پھوٹ کر رویا

کبھی اَن لکھے کبھی لکھے ہوئے دیکھے گئے
لفظ سپنوں کی طرح بکھرے ہوئے دیکھے گئے

آگے بوچھار بھی دیکھی گئی اُن لفظوں کی
لفظ بادل کی طرح اُڑتے ہوئے دیکھے گئے

اُس کا وہ رنگِ سخن بات کی نرمی سے کھلا
لفظ خوشبو کی طرح مہکے ہوئے دیکھے گئے

ویسے پوشیدہ نہ تھی شعلہ بیانی اُس کی
لفظ شعلوں کی طرح دہکے ہوئے دیکھے گئے

سرِ قرطاس ظفر اُن کا سمانا تھا محال
لفظ رنگوں کی طرح پھیلے ہوئے دیکھے گئے

جو لکھا لفظ ، قیامت لکّھا
قط سے بڑھ کر نہ مگر خط لکّھا

صوف کی طرح بدن سوکھ گیا
نقشِ عبرت میں جو فرقت لکھا

دل کو جب تک نہ دکھائی دیا تُو
تب تلک عرصۂ ظلمت لکّھا

میں نے اِک عمر کتابت سیکھی
تب کہیں لفظ ، محبت ، لکّھا

•

صوف کے تار بکھرتے دیکھے
بعدِ مشکیں کی بھی صورت لکّھا

عقل پر جیسے پڑا ہو پردہ
غیب کو پردۂ حیرت لکھا

تختۂ مشق بنایا خود کو
اور بصد خلوت و جلوت لکھا

آہ مَیں چھو نہ سکا زُلف اُس کی
لیکن اُس کو بتِ خُوش خط لکھا

پہلے اِک لفظ ، محبت لکھا
پھر اُسے جُزوِ عبادت لکھا

لکھ نہ پایا جو سرِ محفلِ عشق
دل نے وہ بھی دمِ رُخصت لکھا

میں نے کچھ گوشہ نشینوں کے لیے
قصۂ سیر و سیاحت لکھا

قیس نے لکھی کتابِ وحشت
میں نے دیباچۂ وحشت لکھا

قلم اُس کا تھا اُسی کا مضموں
اُس نے ازراہِ عنایت لکھا

صورتیں اور بھی تھیں لکھنے کی
"ہ" کو اُس ناف کی صورت لکھا

ہاتھ کٹنے پہ بھی اے نوکِ قلم
ابنِ مقلؔہ نے قیامت لکھا

دلِ بے تاب نے لکھوایا ظفؔر
یعنی سب حسبِ ضرورت لکھا

وہی خیال لکھوں اور بار بار لکھوں
پُنھل! عزیز ہے مجھ کو یہ ریگزار، لکھوں

میں دل پہ لکھتا ہوں اب ریت پر نہیں لکھتا
کہ ایک عمر سے روہی میں ہوں مَیں خوار، لکھوں

ہو لوحِ آئنۂ ریگ پر اگر لکھنا
تو اِک طرف نہیں مَیں اُس کے آر پار لکھوں

لکھت ہو، یہ تو مرے عشق اور عقیدے کی
میں ہیؔر ہو کے اگر رانجھوے کو یار لکھوں

پُنھلؔ ہوں اور سزاوارِ عشق ہوں میں ظفرؔ
خود اپنے واسطے زنجیر و طوق و دار لکھوں

اپنی تحریر میں لگتے ہیں جو درپن کی طرح
لفظ آتے ہیں مرے دشت میں ساون کی طرح

ان کے ہر خواب کی تعبیر میں ہنستا ہے سہاگ
لفظ بجتے ہیں مری سیج پہ جھانجن کی طرح

آگ ہے ان کی کہانی میں فقط عشق کی آگ
لفظ جلتے ہیں مرے واسطے ایندھن کی طرح

ان کے ہر حرف کا انجام ہے مجھ ہیر کا بھاگ
لفظ بستے ہیں مری روح میں رانجھن کی طرح

یہ تو بچے ہیں ظفر ان کو سُلا اور خود جاگ
لفظ رہتے ہیں ترے سامنے بچپن کی طرح

شگاف ہو تو قلم دو زبان ہو جائے
وہ خوش خطی کا عجب ترجمان ہو جائے

قدیم لوح پہ لکھی ہوئی ہے حمدِ قدیم
میں چاہتا ہوں کہ وہ میری جان ہو جائے

وہ لوحِ زرد کہ جیسے ہو زردیٔ مہتاب
کسی طرح مرے پرکھوں کا مان ہو جائے

وہ لوحِ سرخ جو بن جائے میری لوحِ مزار
ضرور میری شہادت کی شان ہو جائے

رکھی ہوئی ہیں سفید و سیاہ سب الواح
مری لحد پہ کوئی سایبان ہو جائے

ظفر ڈبوئے جو پاتال کی سیاہی میں
مرے قلم کے لیے بردبان ہو جائے

پڑھا نہ جاتا تو بے جان ہی پڑا رہتا
میں ایسے لکھنے سے بہتر تھا اَن لکھا رہتا

وہ روشنائی اگر جھیل کی طرح ہوتی
تو مَیں قلم کی طرح اُس میں ڈوبتا رہتا

دلاتا باپ جو تختی تو پوچتی اُسے ماں
ہمیشہ ایسی ہی شفقت کا آسرا رہتا

کبھی کبھار قلم چھین لیتے ، ہمجولی
کبھی کبھار شرارت کا سامنا رہتا

ظفر ہمیشہ رہی شاعری میں جان مری
کہ مَر نہ جاتا اگر لفظ سے جدا رہتا

"خطِ غبار" بشکلِ غبار لکھتا تھا
سفر کا حال سرِ رہ گزار لکھتا تھا

وہ تیرے ملنے بچھڑنے کی آہٹیں تھیں تمام
میں جس کو گردشِ لیل و نہار لکھتا تھا

ہمیشہ رہتا تھا پیشِ نظر "خطِ ماہی"
ہر ایک لفظ بہت آبدار لکھتا تھا

تعلقات میں تھی بس برابری کی طلب
نہ جیت لکھتا تھا مَیں اور نہ ہار لکھتا تھا

"خطِ رقاع" کو رقعے کے واسطے اکثر
میں ایسے لکھتا تھا جس طرح یار لکھتا تھا

خموشیوں میں الف کی پکار لکھتا تھا
اُسی کو حاصلِ صبر و قرار لکھتا تھا

میں اُس کو عرش نشیں کے سوا نہ لکھتا تھا کچھ
اور اپنے آپ کو بس خاکسار لکھتا تھا

جو برگ و بار کی تصویر تھا "خطِ گلزار"
جب آتی میری لکھت پر بہار، لکھتا تھا

بکھر رہے تھے کتابوں میں سوکھتے پتّے
وہ ہر ورق پہ مگر سبزہ زار لکھتا تھا

لباس اُتارتی تھیں بدلیاں مرے آگے
قصیدے اُن کے تو میں بے شمار لکھتا تھا

ہوئی تھی اس لیے رغبت "خطِ مقابل" سے
مقابل آئنے کے باربار لکھتا تھا

بغیر لفظوں کے جو درجہ وار لکھتا تھا
میں اپنے ہونے کا وہ اشتہار لکھتا تھا

وہ چپ نویس جو موجدِ خطِ تُو اَم کا
~~[illegible]~~
وہ جب بھی لکھتا تھا دل کی پکار لکھتا تھا

پڑھا کسی بھی رفوگر نے آج تک نہ اُسے
میں اپنا دامنِ دل تارتار لکھتا تھا

ترے دہن سے چراتے تھے رنگ آلوچے
میں اُن کو حاصلِ رنگِ بہار لکھتا تھا

اُبھارتا تھا حروف ایسے اپنے ناخن سے
کہ لکھنے والا وہ ، دیوانہ وار لکھتا تھا

نہ دن کو چین نہ شب کو قرار لکھتا تھا
میں اپنے آپ کو محرومِ یار لکھتا تھا

تمھاری پلکوں کو چومیں سدا مری پلکیں
محبتوں کا انہی کو مدار لکھتا تھا

"خطِ شفیعہ" میں لکھتا تھا وہ مدوّر "ت"
تو حرف "دال" سدا حلقہ دار لکھتا تھا

پناہ ڈھونڈتے تھے شبنمی بدن جس میں
میں اُس کے نور کو بھی سایہ دار لکھتا تھا

ہے واقعہ کہ "خطِ بابری" میں شاہِ وقت
کلامِ پاک بصد افتخار لکھتا تھا

اگر کوئی شجرِ سایہ دار لکھتا تھا
تو ماورائے سرِ رہ گزار لکھتا تھا

زبان کٹتی تھی جس جا زبان کُھلنے پر
سخن طراز ، سخن آشکار لکھتا تھا

میں بہتے تکتا تھا لفظوں کو پانیوں کی طرح
اور اُن کی رَو کو بہت بے کنار لکھتا تھا

"خطِ بہاری" جو معدوم ہو چکا کب کا
لکھاری اُس کو بہت پائیدار لکھتا تھا

زیادہ اُس سے کبھی آرزو نہ کی مَیں نے
جو میرے حق میں مرا کردگار لکھتا تھا

ترا وجود "خطِ ثلث" کی طرح تھا جلی
سو لکھنے والا اُسے پُروقار لکھتا تھا

وفورِ جذبۂ بے اختیار لکھتا تھا
میں اُس کی سانسوں کو بوئے تتار لکھتا تھا

وہ خار خار مری زندگی میں لوٹ آیا
میں جس کے سامنے دل کو نگار لکھتا تھا

اُٹھا کے لے گئے تھے جو بھی ہیر کی ڈولی
میں اُن درندوں کو ظالم کہار لکھتا تھا

لکھت کا ڈھنگ "خطِ نسخ" نے بدل ڈالا
جب آتا لکھنے پہ ، بے اختیار لکھتا تھا

نہ ہونے دیتا تھا کم دائروں کی پیمائش
"خطِ محقق" اگر درجہ وار لکھتا تھا

مصورانہ لکھت کی بہار لکھتا تھا
میں ہر خیال کو تمثال دار لکھتا تھا

وجود ایسا ملائم کہ جس طرح گندھک
میں اُس کی نرمی کو پانی کی دھار لکھتا تھا

ہوا تھا نافِ کلیسا میں راہبہ سے وصال
اور اُس پہ جو تھا مجھے اختیار، لکھتا تھا

نجانے کون سے جنگل سے تھا وہ نکلا ہوا
جگہ جگہ خس و خاشاک و خار لکھتا تھا

کلام کرتے تھے مجھ سے دھوئیں کے مرغولے
سو جب مَیں پی چکا ہوتا سگار، لکھتا تھا

کہانی کار جسے داغدار لکھتا تھا
مرا قلم بھی اُسے بے وقار لکھتا تھا

پہنچتا ہوگا ضرور اُس تلک لکھت کا جمال
ہمیشہ آئنے کے آر پار لکھتا تھا

جیوں گا روزِ قیامت مَیں خامشی کی طرح
سو مرتے مرتے بھی حالِ زار لکھتا تھا

وہ مثلِ شعلہ بھڑکتا تھا میرے لکھے پر
اگرچہ خود کو بہت بُردبار لکھتا تھا

اُترتے جاتے تھے سینے کے پار پڑھتے ہی
وہ لفظ لکھتا تھا گویا کٹار لکھتا تھا

جب اُس کے وصل کو مَیں خوشگوار لکھتا تھا
تو دل کے صفحے پہ حرفِ قرار لکھتا تھا

وہ جب بھی کرتا تھا تحریر عیش کا نسخہ
مرے لیے تو مئے انجبار لکھتا تھا

قلم کی چال میں تھی پانیوں کی سرگوشی
ہر ایک لہر پہ بے اختیار لکھتا تھا

قدم بڑھائے نہ بیعت کے واسطے جس نے
میں کربلا کا اُسے شہ سوار لکھتا تھا

محبتوں کا ملن تھا سمندروں کا ملن
اِسی لیے مَیں اُسے رُودبار لکھتا تھا

جہانِ زیست کو ناپائیدار لکھتا تھا
یہ بات مَیں سرِ لوحِ مزار لکھتا تھا

بہار اُس کو سکھائے گی دینِ عریانی
وہ گل بدن نہ ہو یوں پردہ دار، لکھتا تھا

تمھاری بخشی ہوئی تھیں یہ سانس کی لہریں
میں زندگی کو سدا مستعار لکھتا تھا

جو پڑھتا، کھلتا اُسی پر جہانِ حیرتِ غیب
عجب تھا نورِ سخن، یارِ غار لکھتا تھا

عجب تھیں، موسمِ سرما! اُداسیاں تیری
سنہرے دن کو مَیں تاریک و تار لکھتا تھا

اِک آدھ ہی سخنِ وصلِ یار لکھتا تھا
مگر جدائی کے مضموں ہزار لکھتا تھا

عجب نزاکتِ ریحاں تھی خوبصورتی میں
اِسی لیے ''خطِ ریحاں'' میں یار لکھتا تھا

ہمیشہ خوش وہ رہا مجھ سے زخم خوردہ سے
میں اُس کے تیر کو سینے کے پار لکھتا تھا

کوئی پناہ کی صورت نظر نہ آتی تھی
محبتوں کو دلوں کا حصار لکھتا تھا

میں جمع کرتا تھا اُس کی رفاقتوں کے گہر
اسے بھی وہ عملِ انتشار لکھتا تھا

میں ڈولتا ہوا گرتا تھا اُس کی باہوں میں
تو ایسی حالتِ دل کو خمار لکھتا تھا

جو شام جھانکتی رہتی تھی میرے کمرے میں
میں اُس کے واسطے حد درجہ پیار لکھتا تھا

میں جب بھی خود کو طلبگارِ یار لکھتا تھا
مرے لیے وہ فقط حرفِ دار لکھتا تھا

میں جانتا تھا مقاماتِ ناقۂ لیلیٰ
تھی کس کے ہاتھ میں اُس کی مہار، لکھتا تھا

ہر ایک شخص کا دم گھٹ رہا تھا لیکن وہ
فضائے شہر بہت سازگار لکھتا تھا

یہ آرزو تھی پرندے وطن کے بیٹھیں یہاں
میں اپنے دل کو مثالِ چنار لکھتا تھا

کشادگی سے ظفرؔ پُر تھے اُس کے موضوعات
کہ تجربات بہت یادگار لکھتا تھا

کب تک اُڑائیں گی مجھے، پُروائیاں الفاظ کی
کب تک رُلائیں گی مجھے، تنہائیاں الفاظ کی

میری لکھت کا ہر سفر، مجھ کو پھرائے دربدر
کب تک تھکائیں گی مجھے، کٹھنائیاں الفاظ کی

پیچھا کروں گا کب تلک، الفاظ کی پا کر چمک
کب تک بلائیں گی مجھے، پرچھائیاں الفاظ کی

خاموش ہونا چاہوں مَیں، تا دیر سونا چاہوں مَیں
کب تک جگائیں گی مجھے شہنائیاں الفاظ کی

کب تک رہیں گے بے خبر، الفاظ سب مجھ سے ظفر
کب تک نہ پائیں گی مجھے، گہرائیاں الفاظ کی

کیے تھے عشق نے جو نقل دل کے صفحوں سے
ترے بدن کی مہک آئی ایسے حرفوں سے

لکھا ہوا جو ملا کتبے پر قلوپطرہ
عیاں تھا عشق بھی تحریر کے نمونوں سے

وصال "نقشِ نمارہ" سے ڈھونڈتا آ سن
کھلا یہ سسکیاں لیتی ہوئی سی راتوں سے

عزیز تر وہی "نقشِ جمال" تھا جس میں
چھپی ہوئی کوئی معصومیت تھی صدیوں سے

علامتوں سے تھا پُر ، بابلی "خطِ میخی"
کہ جس میں وضع کیں اشکال اپنی طرزوں سے

جمالیاتِ زمانہ کی یاد ، لوحِ قدیم
جو پہنچی ہم تک ، اساطیر کے جھروکوں سے

حروف گیلے ہیں ، جیسے ہوں بھیگتی آنکھیں
لیا گیا ہے یہ انداز رونے والوں سے

میں دور جاؤں نہ تحریر کے اصولوں سے
نباہ کرتا ہوں لفظوں کے خاندانوں سے

لگے جو کیڑوں مکوڑوں کی طرح ''نقشِ زبد''
نکالیں اُس کو نہ خطّاط، خاص طغروں سے

ملا وسیلہ نہ تحریر کا جب اور کوئی
تو پتھروں پہ لکھا نوک دار کیلوں سے

وہی ہیں حضرتِ آدمؑ کی اوّلیں الواح
نقوش جن کے ملے زیرِ خاک اینٹوں سے

کتابِ زیست کی تحریر کا نمونہ تھے
وہ دستخط جو مٹے ہیں نکاح ناموں سے

نئی بھی شکل "خطِ مشق" کی پرانی لگے
حسین تر ہے مگر وہ قلیل شوشوں سے

دِکھا کے آگ پڑھیں جو "خطوطِ مستورہ"
ہے جاری شعبدہ بازی پرانے وقتوں سے

ہمیشہ ہی خطِ تنسیخ کھینچ دیتا ہے
ظفرؔ وہ خوش نہیں چاہت کے چار حرفوں سے

علاقہ رکھتے ہیں جو لفظ زندہ روحوں سے
وہ ہم کنار کریں زندگی کے وصفوں سے

ترے بدن کے خطوط، آخری ہیں مخطوطے
جنھیں مَیں پڑھتا رہوں گا کئی حوالوں سے

دوبارہ لکھنے ہیں جو تیرے نام وہ الفاظ
اکٹھے کرتا ہوں کاغذ کے بکھرے پرزوں سے

حروف وضع جو اصوات کی بنا پہ ہوئے
سراغ اُن کا ملا ہے پرانے سکّوں سے

انہی کو لکھنے لگے، لکھنے والے سب عشاق
ادا جو ہوگئے الفاظ تیرے ہونٹوں سے

سبھی خطوط ہیں وہ ، نقش ہائے اسمٰعیل
جو آج ہو گئے منسوب سارے عربوں سے

ہیں سر بلند مگر اُن میں کاتبانِ رسولؐ
گزر چکے کئی خطاط سب صحیفوں سے

وہ لکھے جاتے رہے اوّلیں زمانوں سے
سنے گئے تھے جو لفظ آتشی پرندوں سے

مجھے پڑھایا گیا شین سے شگافِ شکست
سو آملا وہ مری زندگی کے رخنوں سے

بہت سے لوگوں نے چھوڑے محبتوں کے نقوش
خطوط اُن کے ملے ہیں قدیم کتبوں سے

صواد ، صبر کی صورت ہے میری ہستی میں
یہ حرف لکھا ہے میں نے کئی طریقوں سے

میں سوچتا ہوں یہ الواح ہیں کہ دیواریں
ترے خطوط نمایاں ہیں تیری گلیوں سے

وہ بعد میں تو مرے تجربے میں خوب آیا
جو حرف وصل سنا تھا حروف بینوں سے

ہے جابجا، کئی بجھتے ہوئے حروف کی راکھ
کئی حروف ہیں جلتے ہوئے چراغوں سے

خطِ خصار ظفر کھینچتا ہوں اپنے گرد
کہ چاہوں دور ہی رہنا سیاہ بختوں سے

لگایا جاتا رہا ٹر یہ کتنے جنموں سے
کہ لفظ پھوٹتے ہیں مادرانہ چشموں سے

منا رہا ہوں محبت کی پہلی سالگرہ
ترے وصال کی گل رنگ داستانوں سے

سموئیں خود میں کئی لفظ ، ارتقائے خیال
کریں اُسی کا پھر اظہار ، پڑھنے والوں سے

یہ کیا خبر کہ ہے وہ اصل مدعا اُن کا
بیان کرتے ہیں جو لفظ اپنی شکلوں سے

وہ کیا زبان تھی کیا حرف تھے خدا جانے
کہے خدا نے جو پہلے پہل فرشتوں سے

بہت سا ہوگیا اقدار کا اثاثہ گم
میں جمع کرتا ہوں تفصیل اُس کی حرفوں سے

ترے خرام سے ہی سیکھ لی قلم نے چال
یہ رنگِ خط ہوا ظاہر کئی نوشتوں سے

لکھی گئیں جو تکو نے قلم سے تحریریں
وہ مستعار ہیں بابل کے رہنے والوں سے

تمام لفظ، زمان و مکاں کے رشتوں سے
بندھے ہوئے ہیں کہ برتر ہیں اپنے معنوں سے

حروف احاطۂ تحریر میں نہیں آتے
غزال جیسے گریزاں ہوئے ہوں دشتوں سے

وہی رہے ہیں ہمارا ذریعۂ ابلاغ
ہم آشنا رہے ماضی میں جتنے لفظوں سے

وہ جسم حرفوں کی گولائیوں سے یاد آیا
جسے مَیں بھول چکا تھا کئی حوالوں سے

کچھ اور لکھنے کی نوبت پھر آتی کیسے ظفرؔ
الف ہی لکھنا نہیں آیا ہم کو برسوں سے

حروف بدلے گئے مختلف وقوعوں سے
مگر یہ دل نہیں بدلا ہزار صدموں سے

ہزار خط ہیں حسیں تر مگر وہ یار کا خط
میں چوم لوں کہ ہے افضل سبھی ثوابوں سے

سمیٹتے ہوئے ادوار کے کئی پہلو
حروف ہوتے ہیں مانوس اپنے لوگوں سے

جو اُس نے لکھتے ہوئے حرفِ عشق، چھینکی تھی
نکل سکی نہیں وہ روشنائی کپڑوں سے

وہ اپنے خط پہ لگانے نہ دے قلم مجھ کو
عیاں ہے نخوتِ تحریر اُس کے وصفوں سے

سوائے اسمِ محمدؐ نہ لکھے نام کوئی
وہ معتبر بھی اسی واسطے ہے اوروں سے

میں بے خودی سے کبھی آگہی سے لکھتا ہوں
ستارہ وارِ سخن ، روشنی سے لکھتا ہوں

کوئی پری مرے لفظوں کو چھونے آتی ہے
کہ مَیں اجل سے نہیں زندگی سے لکھتا ہوں

بکھرتے دیکھتا ہوں اکثر اپنے آپ کو مَیں
اور اِس تماشے کو یکسر خوشی سے لکھتا ہوں

وہ بے ٹھکانا ہی رہتے ہیں لفظ میری طرح
جنھیں تسلسلِ آوارگی سے لکھتا ہوں

جو کوئی بعد میں لکھے گا میرے بارے میں
میں اپنے بارے میں اُس کو ابھی سے لکھتا ہوں

جو لفظ لکھتے ہوئے روشنائی سُوکھتی ہے
میں اُن کو اپنے لہو کی نمی سے لکھتا ہوں

ہمیشہ ہی مُجھے سہوِ قلم رُلاتا ہے
یہ اور بات کہ دیدہ وَری سے لکھتا ہُوں

وصالِ یار سے مغرور ہو بھی جاؤں اگر
ظفرؔ اُسے مَیں بڑی عاجزی سے لکھتا ہوں

خرام کرنے لگے لفظ لوحِ ہستی پر
کلام کرنے لگے لفظ لوحِ ہستی پر

یہی جمالِ ہنر ہے کہ وصل کا مضمون
تمام کرنے لگے لفظ لوحِ ہستی پر

زبانِ یار سے پوری طرح ادا ہو کے
قیام کرنے لگے لفظ لوحِ ہستی پر

جسے علامتِ اظہارِ عشق کہتے ہیں
وہ کام کرنے لگے لفظ لوحِ ہستی پر

ظفرؔ میں کیا اُنہیں پڑھتا کہ رات بھر مری نیند
حرام کرنے لگے لفظِ لوحِ ہستی پر

قسم اُس لفظ کی جس سے ہوئی تھی وہ کتابِ اوّلیں آغاز
قسم اُس لفظ کی جس کے بِنا ممکن نہ تھا ایسا حسیں آغاز

قسم اُس لفظ کی جس پر ہوا تھا ختم ارشادِ خداوندی
قسم اُس لفظ کی جس سے ہوا فرمانِ ختم المرسلیںؐ آغاز

قسم اُس لفظ کی جس سے ہوئی تھی سرنوشتِ کہکشاں روشن
قسم اُس لفظ کی جس سے ہوا سرنامۂ لوحِ زمیں آغاز

قسم اُس لفظ کی جس سے ہوئی تھی آسمانی گیت کی پہچان
قسم اُس لفظ کی جس سے ہوا تھا وہ کلامِ دلنشیں آغاز

قسم اُس لفظ کی جس کا شروع آواز ہے اور انت خاموشی
قسم اُس لفظ کی جس کا یہیں انجام ہوگا اور یہیں آغاز

میں اپنے لفظوں کے لنگر اجل پہ ڈالوں گا
کوئی رہے نہ رہے ، زندگی بچالوں گا

بھروں گا مٹھی میں الفاظ ، جگنوؤں کی طرح
اور اُن کو خالی فلک کی طرف اُچھالوں گا

زمینیں لفظوں کی زرخیز میرے واسطے ہیں
جہاں بھی چاہوں گا مَیں ، شاعری اُگالوں گا

زیبِ کلام
آورد میں آمد

ترے قصیدے کی کردُوں گا انتہا اک روز
مَیں لکھتے لکھتے وہ زورِ قلم بڑھا لوں گا

پرانے قصّے پرانے حروف کی قبریں
نئی لکھت سے نئی داستاں بنالوں گا

اگر ملا نہ کوئی اور رتجگے کے لیے
میں سوئے لفظوں کو پوری طرح جگالوں گا

ظفرؔ وہ کھیلنا چاہے گا کھیل حرفوں کے
تو میں بساطِ حروف آشنا بچھالوں گا

جب اپنے ہاتھ دوبارہ قلم ہوئے ہوں گے
نئے حروفِ محبت رقم ہوئے ہوں گے

وہ روشنائی لہو رنگ ہوگئی ہوگی
حروفِ عشق سپردِ الم ہوئے ہوں گے

دوبارہ لکھا گیا ہوگا مرثیہ دل کا
تمام حرف پھر اِک بار نم ہوئے ہوں گے

قلم اُچھالے گئے ہوں گے آسماں کی طرف
تو سر بلند حروفِ عدم ہوئے ہوں گے

جلائی ہوں گی اگر تختیاں یتیموں کی
تو جا کے تب کہیں روشن وہ غم ہوئے ہوں گے

مٹائیں ہم نے بھی راہِ اجل کی تحریریں
عیاں ہمارے بھی نقشِ قدم ہوئے ہوں گے

ہمارے حرفوں پہ چھائی تھی دھوپ نارنجی
اسی لیے وہ ظفرؔ زندہ کم ہوئے ہوں گے

حرفوں سے چھُپتی تختیاں آواز دیں تو جاؤں
اور جس طرح مَیں چاہوں، دوبارہ قلم لگاؤں

لوح و قلم کو چاہوں مَیں بیدار دیکھنا
حرفوں کے جھونپڑے میں کوئی رتجگا مناؤں

چاہے وہ ڈوب جائیں، پلٹ کر نہ چاہے آئیں
حرفوں کی کشتیوں کو بہت دُور تک بہاؤں

مجھ کو پسند آئے سدا بے وجود سائے
حرفوں کے جسم چھین کے پرچھائیاں بناؤں

چاہوں کہ ساربان، دے کوئی اِدھر بھی دھیان
حرفوں کے قافلوں کو سرِ دشت چھوڑ آؤں

تحریر کی گرفت ہے، حد سے زیادہ سخت
حرفوں کے دائروں میں اُسے قید کر دکھاؤں

چاہوں کہ اُس کو بھائے مری خواہشوں کی رائے
حرفوں کی مشعلوں کو ظفؔر رات بھر جلاؤں

کسی طرح تو کسی آن لکھ دیا ہوتا
ہم آئنہ تھے تو حیران لکھ دیا ہوتا

ہم اس قدر بھی نہیں تھے حروفِ بے معنی
کہیں ہمیں بھی تو اے جان! لکھ دیا ہوتا

پڑھیں نہ لکھا سرِ آسماں، ہم اہلِ خاک
سو خاک پر کوئی فرمان لکھ دیا ہوتا

ہمارے لفظ اگر ترجماں ہمارے نہ تھے
ہماری لوح کو ویران لکھ دیا ہوتا

جو سب کے واسطے مشکل لکھا گیا وہ لفظ
ہمارے واسطے آسان لکھ دیا ہوتا

اگر نہ کرنا تھا وعدہ سلوک سے کوئی
فریب سے کوئی پیمان لکھ دیا ہوتا

جمالِ یار کو لکھنا جو سہل ہوتا ظفرؔ
تو اِتنی دیر میں دیوان لکھ دیا ہوتا

کوئی اظہارِ محبت کا وسیلہ رکھنا
زندگی لفظ کی مُٹھی میں ہمیشہ رکھنا

ہم مسافر ہیں کسی روز اِدھر آئیں گے
اپنے الفاظ کے اشجار کا سایا رکھنا

ایسے الفاظ جو غیبت کی طرف لے جائیں
اُن کے دوزخ سے نکلنے کا بھی رستا رکھنا

زندہ رہنے کی شناخت ایک یہی کافی ہے
مُردہ لفظوں سے الگ اپنا علاقہ رکھنا

لکھ دیا جائے کہیں نام تمہارا شاید
لوحِ ہستی پہ ظفؔر لفظ سے رشتہ رکھنا

خواب میرا ہے تو واقف بھی ہوں تعبیر سے مَیں
اور بہتر ہی لکھوں کاتبِ تقدیر سے مَیں

لفظ آزاد ہے مفہوم ادا جو بھی ہو
لفظ کو باندھ نہیں سکتا ہوں زنجیر سے مَیں

میں تو رہتا ہوں سدا اپنے لکھے پر قانع
مانا جاتا ہوں فقط اپنی ہی تحریر سے مَیں

زندگی ، مَیں نے تو سمجھا ہے ہمیشہ اُس کو
دست بردار نہیں لفظوں کی جاگیر سے مَیں

روشنی بس یہی کافی ہے ظفر میرے لیے
زندہ ہوں حرفِ محبت ہی کی تنویر سے مَیں

رات نے چاند کی تختی پہ لکھا ہے سوجا
ہر سکوں نیند کے جھولے میں پڑا ہے سوجا

لفظ ریشم کی طرح نرم ہے قُربت کے لیے
لفظ آغوش کی مانند کُھلا ہے سوجا

لوحِ ہستی پہ اکیلا نہیں سوئے گا تُو
لفظ پہلے سے وہاں سویا ہُوا ہے سوجا

چوم کر چھوڑ دے ایسا بھی نہیں لفظ فقط
لفظ بستر ہے، تہہِ خاک بچھا ہے سوجا

ساری تحریر میں لوری کا ظفؔر نشّہ ہے
اُس کا ہر لفظ یہی بول رہا ہے سوجا

ایسا لگتا تھا کہ تحریر کوئی ہے ذاتی
کاش ندرت "خطِ مائل" کی سمجھ میں آتی

وہ ہیں اقبال سعید ، اکملِ دارالتحریر
جن کی تحریک کا ثمرہ ہے غزل خطاطی

میری تحریر کو ہرگز نہ جو تبدیل کرے
کوئی بھی میرے قلم سا نہیں میرا ساتھی

روحِ اسلام کا یہ پوری طرح ہے عکاس
فنِ خطاطی اسی واسطے ہے اثباتی

جس سے آغاز ہوا اسمِ محمدؐ کا ظفر
کاش وہ میم مرے دل کے قریب آجاتی

شکست دے مجھے تُو اور مرا تماشا لکھ
نہیں ہے مجھ سے تعلّق تو مجھ کو تنہا لکھ

ہو کاش حرفِ محبت سے زندگی آغاز
جو پڑھ نہیں سکے، اُس کے لیے بھی "اقرأ" لکھ

غلط حروف نہ اِک دوسرے سے کردیں دُور
درست عشق کی خاطر درست املا لکھ

کھڑی روش ہو کہ ہوں لمبے دائرے، چاہے
ہر ایک رنگ میں تُو یار کا سراپا لکھ

اگرچہ حضرتِ ادریسؑ موجدِ خط تھے
مگر "قبیلۂ طے" کا بھی اس میں حصّہ لکھ

اُسی سے سنگ پہ لکھا گیا تھا پہلے پہل
ہے آج بھی یہ تقاضا ، قلم کو تیشہ لکھ

وہ سارے کتبے کہ جو کوہِ بے ستوں سے ملے
ظفرؔ ، انھیں "خطِ میخی" ہی کا نمونہ لکھ

کہاں مرے ہوئے لفظوں کا مقبرہ تھا، لکھ
وہ لفظ یاد ہیں تجھ کو تو اُن کو زندہ لکھ

لکھے ہوئے ہیں جو خطاط نے کرنسی نوٹ
زرِ قلم کا اُسے بے بہا خزانہ لکھ

کچھ اور چاہتی ہے زندگی وفورِ سخن
کچھ اور تابِ قلم سے، اِک اور نسخہ لکھ

محبتوں کا کسی طور ہو کُھلا اظہار
حروف ساتھ نہ دیں تو کوئی اشارہ لکھ

بٹھادیا گیا کرسی پہ حرفِ ممنوعہ
مجھے کہا گیا اب اِس کا تُو قصیدہ لکھ

جلا کے عشق کی وصلی کہا گیا مجھ کو
تجھے ملال اگر ہے تو اِس کا نوحہ لکھ

حروفِ مردہ لکھے گا تو جی نہ پائے گا
جو زندہ رہنا ہے تجھ کو تو حرف زندہ لکھ

چمن بنا ہے قفس اور نہیں گزارا لکھ
اور اپنے آپ کو ہجرت زدہ پرندہ لکھ

سنا گیا ہے کوئی میرے عشق کی تفصیل
سو دل تقاضا کرے تُو اُسے دوبارہ لکھ

ہے مدعا کہ اگر کم لکھوں زیادہ پڑھ
ہے التجا کہ اگر کم پڑھوں زیادہ لکھ

لکھ اس طرح سے کہ آورد ہی میں آمد ہو
سخن کے پردے میں جو اَن کہا ہے قصہ لکھ

مرے بھی ساتھ رہا کوئی صاحباں کی طرح
مرا بھی واقعۂ وصل ، ابنِ مقلہ! لکھ

وہی خطوط جو محراب میں جگہ ڈھونڈیں
جو لکھ سکے اُنھیں "طومار" ہی کے جیسا لکھ

نئے زمانے کی تحریر لکھنے والے بہت
قدیم عہد کے غاروں میں جو ہے لکھا ، لکھ

کہاں سے آیا ہے ، ہر لفظ کا علاقہ لکھ
پلٹ کے جائے گا کیا؟ پوچھ اور منشا لکھ

جمالِ جنتِ معلوم بے حقیقت ہے
نواحِ مصر میں اہرام کا عجوبہ لکھ

Hieroglyphic
Egyptology

کبھی کبھار کے لکھنے سے کیا اثر ہوگا
خط اُس کو خون سے لکھ اور بے تحاشا لکھ

لرزتے ہاتھ نہ شاید دوبارہ لکھ پائیں
ہر ایک نامہ ترا ، آخری ہے نامہ ، لکھ

سبھی کو راس نہ آئیں "خطوطِ مرموزہ"
اگر ہو اُن سے تجھے فائدہ ، ہمیشہ لکھ

خطوط مرموزہ

ظفرؔ یہ رات جو بیوہ کی طرح لگتی ہے
سہاگن اس کو بنا اور نکاح نامہ لکھ

دستِ خطاطِ محبت سے گزر آیا مَیں
لفظ تھا اور سرِ قرطاس نظر آیا مَیں

جو دوات آئی نظر عشق سے خالی مجھ کو
اپنے بے تاب لہو سے اُسے بھر آیا مَیں

بولا جاتا رہا جب تک تو بھٹکتا ہی رہا
لوح پر آیا تو لگتا تھا کہ گھر آیا مَیں

میرے مولا نے مجھے لکھا تھا صدیوں پہلے
وقت کی خاک ہٹائی تو اُبھر آیا مَیں

روشنائی جو انگوٹھے پہ لگائی تھی ظفر
ثبت اک مُہر وفا کرنا تھی، کر آیا مَیں



ہمارے یہاں ستر کی دہائی میں جن لوگوں نے غزل کے نئے امکانات کو چھوا اُن میں ایک قابلِ ذکر
صابر ظفر کا ہے جن کا قلم تب سے اب تک مسلسل اور بے تکان لکھ رہا ہے پیشِ نظر مجموعہ اپنے نام ہی نہیں ا
مافیہ کے اعتبار سے بھی منفرد ہے شاعر نے خطاطی اور اس کی اصطلاحات کو تخلیقی سطح پر شعر میں سمو کر اردو غزل
ایک انوکھے لہجے سے متعارف کیا ہے چونکہ یہ اُردو غزل میں ایک نیا تجربہ ہے اس لیے اگر اس کے بعض خط
آڑے ترچھے بھی ہیں تو اس سے چیں بجبیں نہ ہونا چاہیے۔ خود تجربے ہی کی حیثیت سے یہ اُردو میں ایک نئی آ
ہے اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے

صابر ظفر ایسے بول بولنے کا ہنر جانتے ہیں جن کے جادو سے رات کی بیوہ، سہاگن ہو کر مہ جبیں ہو
روپ دھار لیتی ہے بعض جگہ یہ غزلیں یادوں کا ایک کولاژ بنتی نظر آتی ہیں، نقشہ نہیں۔ شاعر نے جا بجا عمدہ
نادر قافیے برتے ہیں اُن کی قدرت کلام دو غزلوں سہ غزلوں میں بھی ظاہر ہوتی ہے ”لکھتا تھا“ کی ردیف
انہوں نے جو طویل غزل کہی ہے وہ اُردو میں کمیاب کی حد میں داخل ہے جدید اُردو غزل میں صابر ظفر کا
تازہ مجموعہ ایک منفرد لحن کا حامل ہونے کے باعث گہری توجہ کا طالب ہے۔

ڈاکٹر تحسین فراقی